اجتہاد اور کار اجتہاد

مولانا عتیق احمد بستوی
استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء

اجتہاد لغت اور اصطلاح میں

اجتہاد کا مادہ ''جہد'' ہے ''جہد'' کا معنی ہے قوت و طاقت، اجتہاد کا لغوی مفہوم کسی پر مشقت کام میں پوری طاقت صرف کرنا، ابن منظور افریقی (۷۱۱ھ) نے جہد اور اجتہاد کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"الجُهدُ الجَهد الطاقة تقول: اجهد جهدك وقيل الجهد المشقة والجهد الطاقة۔۔۔والاجتهاد والتجاهد: بذل الوسع والمجهود"(۱)۔

(جہد اور جہد کا معنی طاقت ہے آپ کہتے ہیں اجھد جھدک (اپنی پوری طاقت لگادو) ایک قول یہ ہے کہ جُہد کے معنی مشقت اور جَہد کے معنی طاقت ہے اجتہاد اور تجاہد پوری طاقت صرف کرنے کا نام ہے)۔

صاحب القاموس المحیط نے بھی اجتہاد اور تجاہد کا مفہوم، بذل الوسع (طاقت صرف کرنا) بیان کیا ہے(۲)۔

اصول فقہ کے مصنفین نے اجتہاد کے لغوی مفہوم کو کچھ زیادہ ہی وضاحت اور انضباط کے ساتھ بیان کیا ہے، امام غزالی (۵۰۵ھ) نے المستصفی میں لکھا ہے:

"هو عبارة عن بذل المجهود واستفراغ الوسع في فعل من الأفعال ولا يستعمل إلا فيما فيه كلفة وجهد فيقال: اجتهد في حمل حجر الرحا ولا يقال اجتهد في حمل خردلة"(۳)۔

اجتہاد کسی کام میں پوری کوشش صرف کرنے اور پوری توانائی لگانے کا نام ہے، اجتہاد کا استعمال اسی کام کے لئے ہوتا ہے جس میں مشقت اور کلفت ہو، کہا جاتا ہے: "اجتهد في حمل حجر الرحا" (چکی کا پتھر اٹھانے کی پوری کوشش کی) یہ نہیں کہا جاتا: "اجتهد في حمل خردلة" (رائی کا دانہ اٹھانے کی پوری کوشش کی)۔

امیر بادشاہ اجتہاد کے لغوی مفہوم پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"(هو) أي الاجتهاد (لغة بذل الطاقة) أي استفراغ القوة بحيث يحس بالعجز عن المزيد (في تحصيل ذي كلفة) أي مشقة، يقال: أجتهد في حمل الصخرة ولا يقال أجتهد في حمل النواة"(۴)۔

لغوی معنی کے اعتبار سے اجتہاد کسی پر مشقت کام میں اس طرح پوری طاقت لگادینے کا نام ہے کہ انسان اپنے آپ کو مزید طاقت سے عاجز تصور کرے، کہا جاتا ہے: پتھر اٹھانے میں اجتہاد کیا یعنی پوری طاقت لگائی، یہ نہیں کہا جاتا ہے:

گٹھلی اٹھانے میں اجتہاد کیا۔

اجتہاد کا اصطلاحی مفہوم

اجتہاد کا لغوی مفہوم واضح ہونے کے بعد آیئے دیکھیں کہ ماہرین اصول فقہ نے اجتہاد کی کیا تعریف کی ہے، اصول فقہ کے اکثر مصنفین نے اجتہاد کی اصطلاحی حقیقت واضح کی ہے، یہاں علماء اصول کی تحریر کردہ چند تعریفات درج کی جاتی ہیں:

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے ان الفاظ میں اجتہاد کی اصطلاحی حقیقت واضح کی ہے:

”بذل المجتهد وسعه فی طلب العلم بأحكام الشريعة والاجتهاد التام أن يبذل الوسع فی الطلب بحيث يحس من نفسه العجز عن مزيد الطلب (۵)۔

اجتہاد، احکام شریعت کا علم حاصل کرنے میں مجتہد کا توانائی صرف کرنا ہے اور اجتہاد تام یہ ہے کہ طلب و جستجو میں اس قدر طاقت لگائے جس سے زیادہ طلب و جستجو سے اپنے آپ کو عاجز سمجھتا ہو۔

قاضی بیضاویؒ نے اجتہاد کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

”استفراغ الوسع فی درک الأحكام الشرعية“ (۶)۔

اجتہاد احکام شریعت جاننے کے لئے پوری طاقت لگا دینے کا نام ہے۔ مشہور فقیہ و اصولی علامہ ابن ہمام (۸۶۱ء) نے اجتہاد کی تعریف اس طرح کی ہے:

”بذل الطاقة من الفقيه فی تحصيل حكم شرعی ظنی“ (۷)

علامہ محب اللہ بن عبد الشکور بہاری نے بھی انھیں الفاظ میں اجتہاد کی تعریف کی ہے (۸)۔

امام سیف الدین آمدی (۶۳۱ء) نے حقیقت اجتہاد پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

”الاجتهاد استفراغ الوسع فی طلب الظن بشیٔ من الأحكام الشرعية علی وجه يحس من النفس العجز عن المزيد فيه“ (۹)۔

(اجتہاد کی حقیقت ہے کسی حکم شرعی کا ظن طلب کرنے میں اس طرح پوری طاقت لگا دینا کہ مزید طلب و جستجو سے اپنے کو درماندہ محسوس کرے)۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) نے نسبۃً زیادہ وضاحت سے اجتہاد کی تعریف کی ہے، موصوف اپنے مشہور رسالہ عقد الجید فی الاحکام الاجتہاد والتقلید میں لکھتے ہیں:

”حقيقة الاجتهاد علی ما يفهم من كلام العلماء استفراغ الجهد فی إدراک الأحكام الشرعية الفرعية عن أدلتها التفصيلية الراجعة كلياتها إلی أربعة أقسام الكتاب والسنة والإجماع والقياس“ (۱۰)

(علماء کے کلام سے اجتہاد کی حقیقت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اجتہاد فروعی شرعی احکام کو شریعت کے تفصیلی دلائل جو بنیادی طور پر چار ہیں: کتاب، سنت، اجماع، قیاس سے جاننے کی پوری کوشش کرنا ہے)۔

اصطلاحی تعریف کے نتائج

فقہاء واہل اصول نے اجتہاد کی جو تعریفات کی ہیں ان سے چند نکات بہت واضح طور پر سامنے آتے ہیں:

۱- اجتہاد شریعت کے احکام ومسائل میں ہر کس وناکس کی رائے زنی کا نام نہیں ہے بلکہ اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے شخص (فقیہ) کی طرف سے مآخذ شریعت (کتاب وسنت، اجماع، قیاس) کی روشنی میں شریعت کے عملی احکام جاننے کے لئے انتہائی کوشش صرف کرنے کا نام اجتہاد ہے، لہذا:

الف- جو شخص اجتہاد کی بنیادی صلاحیتوں سے محروم ہو مثلاً عربی زبان سے نابلد ہو یا محض معمولی شد بد رکھتا ہو، یا کتاب وسنت کے علم سے کورا ہو یا استنباط وقیاس کے اصول وقواعد سے ناآشنا ہو، علم اصول فقہ پر اس کی گہری نظر نہ ہو ایسا شخص احکام شرعیہ جاننے کے لئے خواہ کتنی کوشش کرے اسے اجتہاد نہیں کہا جائے گا، کیونکہ وہ دلائل شرعیہ کو سمجھنے اور ان سے احکام کا استنباط کرنے پر قادر نہیں ہے، ایسے شخص کے لئے سلامتی اور نجات کا راستہ یہی ہے کہ علوم اسلامیہ میں درک رکھنے والے علماء اور اصحاب افتاء کی تحقیق اور فتوی پر اعتماد اور عمل کرے۔

دور حاضر کا ایک بڑا فتنہ یہ ہے کہ بہت سے دانشور قسم کے لوگ اجتہاد اور فہم دین کی ہر ادنی صلاحیت سے محروم ہونے کے باوجود اپنا یہ حق سمجھتے ہیں کہ دین کے نازک سے نازک مسئلوں میں رائے زنی کریں اور ان کی رائے بے چون وچرا قبول کی جائے، دنیاوی علوم کی ہر شاخ میں تخصص ضروری سمجھا جاتا ہے، دنیا کے ہر علم کے بارے میں بلکہ علم کی ہر شاخ کے بارے میں وہ شخص رائے دے سکتا ہے جس نے اس شاخ علم کا خصوصی مطالعہ کیا ہو، ایک انجینئر خواہ انجینئرنگ میں کتنا باکمال ہو میڈیکل سائنس کے مسائل میں دخل اندازی نہیں کرسکتا، بڑے سے بڑے ڈاکٹر (طبیب) کی رائے سائنس یا انجینئرنگ کے مسائل کے بارے میں لائق توجہ نہیں سمجھی جاتی، لیکن دین اور علوم دین کو اتنا لاوارث اور غیر اہم سمجھ لیا گیا ہے کہ ہرا یرا غیرا اسے تختۂ مشق بناتا ہے اور علوم دین میں کورا ہونے کے باوجود دین کے نازک ترفنی مسائل میں بے محابا رائے زنی کرتا ہے۔

ب- صلاحیت اجتہاد رکھنے والا شخص (فقیہ) حکم شرعی جاننے کے لئے جو ناتمام کوشش کرتا ہے وہ بھی اجتہاد نہیں ہے، پوری تحقیق وجستجو، مطالعہ وغور وفکر کے بغیر عجلت میں سرسری طور پر قائم کی گئی رائے یا تو اجتہاد نہیں ہے یا اگر ہے تو اجتہاد ناقص ہے جو شریعت میں معتبر اور قبول نہیں ہے۔ اجتہاد کامل کا معیار یہ ہے کہ اجتہاد کرنے والا شخص تحقیق وتلاش، طلب وجستجو، غور وفکر کرکے تھک جائے اور یہ محسوس کرنے لگے کہ اب مزید طلب وجستجو اس کے بس سے باہر ہے۔

ج- حکم شرعی عملی کے علاوہ کسی دوسری چیز کے لئے علمی وفکری توانائیاں صرف کرنے کا نام اجتہاد نہیں ہے مثلاً علوم عربیت کا کوئی شیدائی کسی نحوی، صرفی، ادبی، یا بلاغی مسئلہ کی تحقیق میں پورا زور صرف کرے، کوئی معقولی عقلی مقدمات کی ترتیب یا فلسفیانہ گتھیوں کو سلجھانے کے انتھک کوشش کرے، کوئی منطقی مسائل منطق کی تحقیق وتشریح میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگادے، یہ تمام علمی اور فکری کوششیں اجتہاد نہیں ہیں۔

د- اکثر اہل اصول کی رائے یہ ہے کہ اعتقادی وکلامی مسائل کی تحقیق وجستجو میں پورا زور صرف کرنے کا نام بھی

اجتہاد نہیں ہے کیوں کہ اجتہاد کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اجتہاد کرنے والا حق تک پہونچ گیا تو اسے دہرا اجر ملے گا اور اس سے خطا ہو گئی تو بھی ایک اجر ملے گا۔ اس کے برخلاف اعتقادی اور کلامی مسائل میں خطا ہونے سے جمہور کے نزدیک اجر نہیں بلکہ گناہ ہوتا ہے۔

ھ- سابقہ تعریفات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اجتہاد کا محل شریعت کے ظنی احکام ہیں کیوں کہ شریعت کے قطعی احکام وہ ہیں جن کا ثبوت شریعت کے قطعی الثبوت، قطعی الدلالۃ دلائل سے ہوتا ہے، اور اس طرح کے قطعی احکام اتنے مخفی نہیں ہوتے کہ ان کے دریافت کے لئے تحقیق وتلاش کے آبلہ پائی کی ضرورت پڑے، شریعت کے قطعی احکام و دلائل عام طور سے اہل علم کو معلوم ہوتے ہیں یا ادنیٰ توجہ سے معلوم ہو سکتے ہیں، انہیں معلوم کرنے کے لئے زیادہ علمی فکری توانائی صرف نہیں کرنی پڑتی۔

اجتہاد کی شرطیں

اجتہاد ایک اہم اور نازک ترین ذمہ داری ہے، اس لئے اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے زہد وتقوی، خوف و خشیت، اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ بہت سے علوم پر کامل دستگاہ اور مجتہدانہ نظر بھی ضروری ہے، علماء اصول نے شرائط اجتہاد پر تفصیلی کلام کیا ہے، ہم آئندہ صفحات میں ان کی بحثوں کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

۱- قرآن کریم کا علم:

اجتہاد کے اصل سرچشمے قرآن کریم اور احادیث رسول ہیں، اس لئے اجتہاد کی اولین شرط ہے کہ قرآن کریم کے معانی و مطالب پر گہری نظر ہو، خصوصاً آیات احکام پر، متعدد اہل اصول کی تصریح کے مطابق قرآن کی پانچ سو (۵۰۰) آیات میں صراحۃً عملی احکام شرعیہ بیان کئے گئے ہیں (۱۱)۔ ان آیات کی شرح وتفسیر پر اجتہاد کرنے والے کی گہری مبصرانہ نظر ہونی چاہئے لیکن یہ واقعہ ہے کہ احکام شرعیہ کا استنباط انہیں آیات تک محدود نہیں ہے ہمارے عبقری اور نکتہ رس فقہاء نے بہت سی ان آیات سے احکام کا استنباط کیا ہے جو براہ راست احکام سے تعلق نہیں رکھتیں، بلکہ ان کا تعلق قصص، مواعظ، امثال، ذکر آخرت وغیرہ سے ہے۔ نجم الدین طوفی (۷۱۶ھ) لکھتے ہیں:

”أما الكتاب فالواجب عليه أن يعرف منه ما يتعلق بالأحكام وهو خمس مأة آية كما قال الغزالي وغيره والصحيح أن هذا التقدير غير معتبر وإن مقدار أدلة الأحكام في ذلك غير منحصر، فإن أحكام الشرع كما تستنبط من الأوامر والنواهي كذلك تستنبط من الأقاصيص والمواعظ ونحوهما فقل ان يوجد في القرآن الكريم آية إلا ويستنبط منها شئي من الأحكام وإذا أردت تحقيق هذا فانظر إلى كتاب ”أدلة الأحكام“ للشيخ عز الدين بن عبد السلام وكان هؤلاء الذين حصروها في خمس مائة آية إنما نظروا إلى ما قصد منه بيان الأحكام دون ما استفيدت منه ولم يقصد به بيانها“ (طوفی، نجم الدین ابوالربیع سلیمان بن عبدالقوی، (۱۲)۔

(مجتہد کے لئے قرآن کریم کے اتنے حصہ کا جاننا ضروری ہے جو احکام سے متعلق ہے، غزالی وغیرہ کے مطابق یہ کل پانچ سو آیات ہیں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ پانچ سو آیات کی تحدید معتبر نہیں ہے، ادلہ احکام کی مقدار پانچ سو آیات میں محدود

نہیں ہے کیونکہ شریعت کے احکام جس طرح امر اور نہی والی آیات سے مستنبط ہوتے ہیں، اسی طرح قصص، مواعظ وغیرہ پر مشتمل آیات سے بھی مستنبط ہوتے ہیں، قرآن کریم میں شاید ہی کوئی ایسی آیت ہو جس سے کچھ احکام مستنبط نہ ہوتے ہوں، اگر آپ اس کی تحقیق کرنی چاہیں تو شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی کتاب ''ادلۃ الاحکام'' کا مطالعہ کریں، جن لوگوں نے آیات احکام کی تعداد صرف پانچ سو بیان کی ہے، ان کی مراد وہ آیات ہیں جن کا مقصد ہی بیان احکام ہے، وہ آیات نہیں جن کا مقصد بیان احکام نہیں لیکن ان سے احکام کا استنباط کیا جاتا ہے)۔

مجتہد کے لئے نہ تو قرآن کے تمام معانی کے احاطہ کی شرط ہے اور نہ اس کی گنجائش ہے کہ وہ پانچ سو آیات احکام کے علاوہ پورے قرآن سے لاتعلق اور بے خبر ہو، پورے قرآن پر اس کی نظر ہونی چاہئے اور قرآن کی جو آیات براہ راست احکام سے متعلق ہیں ان کے معانی ومطالب کا گہرا مطالعہ ہونا چاہئے۔

بعض اہل اصول نے مجتہد کے لئے حافظ قرآن ہونے یا آیات احکام کا حافظ ہونے کے شرط لگائی، لیکن جمہور اہل اصول نے اس کی تردید کی ہے (۱۳)، اس دور میں مختلف انداز سے قرآن کی انڈکس سازی کی وجہ سے قرآن سے استفادہ بہت آسان ہوگیا ہے، ان انڈکسوں کی مدد سے غیر حافظ بھی انتہائی سہولت اور سرعت سے مطلوبہ آیات تلاش کر لیتا ہے۔ لہذا اجتہاد کے لئے حفظ قرآن سہولت کا ذریعہ ضرور ہے لیکن اسے شرط اجتہاد نہیں قرار دیا جاسکتا۔

بلند نظر مفسرین وفقہاء نے آیات احکام پر مخصوص کتابیں لکھی ہیں جن سے ان کی ذہانت، دقت نظر، قوت استنباط کا اندازہ ہوتا ہے، اس سلسلہ میں امام ابوبکر جصاص رازیؒ (۳۷۰ھ) قاضی ابن العربی مالکیؒ (۵۴۲ھ) علامہ عماد الدین محمد الکیا ہراسی (۵۰۴ھ) کی احکام القرآن کا نام لیا جاسکتا ہے۔ ان حضرات کی احکام القرآن متداول اور دستیاب ہیں۔

امام الحرمین عبدالملک جوینی (۴۷۸ھ) مفتی مجتہد کے لئے لازمی شرائط پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ویشترط أن یکون عالما بالقرآن فإنه أصل الأحکام ومنبع تفاصیل الإسلام ولا ینبغي أن یقنع فیه بما یفهمه من لغته فإن معظم التفاسیر یعتمد النقل ولیس له أن یعتمد في نقله علی الکتب والتصانیف فینبغي أن یحصل لنفسه علما بحقیقته ومعرفة الناسخ والمنسوخ لابد منه'' (۱۴)۔

(مفتی کے لئے شرط ہے کہ وہ قرآن کا عالم ہو، کیونکہ قرآن احکام شریعت کی اصل اور اسلام کی تعلیم کا سرچشمہ ہے، قرآن کے الفاظ سے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے اس پر اکتفا کرنا مناسب نہیں ہے کیوں کہ تفسیر کے بیشتر حصہ کی بنیاد منقولات پر ہے، کتابوں اور تصانیف پر نقل کے باب میں پورا اعتماد کر لینا درست نہیں ہے، بلکہ مناسب یہ ہے کہ اسے منقولات کی حقیقت کا علم ہوجائے، ناسخ اور منسوخ کی شناخت ضروری ہے)۔

۲- حدیث کا علم:

اجتہاد کا دوسرا بنیادی سرچشمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اس لئے ذخیرۂ حدیث پر بھی اجتہاد کرنے والے کی نظر وسیع وعمیق ہونی چاہئے، خاص طور سے احادیث احکام پر، شیخ عبدالعزیز بخاری اصول البزدوی کی شرح کشف الأسرار میں لکھتے ہیں کہ: احادیث احکام اگرچہ ہزاروں سے زیادہ ہیں لیکن ان کی تعداد محصور ہے، تمام احادیث احکام کا یاد ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اتنا کافی ہے کہ احادیث کے جن مجموعوں میں احادیث احکام شامل ہیں اور وہ مجموعے معتبر اور صحیح ہیں

ان کا کوئی صحیح نسخہ اس کے پاس ہو، مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، مجموعۂ احادیث میں کون باب کس جگہ ہے اور کس طرح کی حدیث کہاں مل سکتی ہے اس پر اس کی نظر ہوتا کہ وقت ضرورت استفادہ کر سکے، اگر وہ حدیثیں اسے یاد ہوں تو زیادہ بہتر ہے(۱۵)۔

اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے مصنفین اسلام کو ان حضرات نے بڑی محنت اور جگر کاوی سے احادیث احکام کے مستقل مجموعے مرتب کر دئے ہیں اس کی وجہ سے احادیث احکام کی تلاش وجستجو، تشریح وتفصیل کا کام آسان ہو گیا ہے۔

حدیث کا علم بعض پہلوؤں سے زیادہ مشکل اور دشوار ہے، کیونکہ قرآن تو پورا کا پورا قطعی الثبوت ہے، قرآن کے کسی آیت کے بارے میں ثبوت اور درجہ بندی کی بحث نہیں کرنی ہے، اس کے برخلاف حدیث میں پہلے ہی قدم پر ثبوت اور درجہ بندی کی بحث آجاتی ہے، یہ معلوم کرنا پڑتا ہے کہ حدیث متواتر ہے، مشہور یا خبر واحد ہے۔ احادیث کا بیشتر حصہ خبر واحد ہے، خبر واحد کی تحقیق میں راویان حدیث کے حالات ان کے مرتبہ ومقام سے واقفیت ناگزیر ہے غرض یہ کہ اسماء الرجال اور علوم الحدیث پر عبور حاصل کئے بغیر اس مرحلہ سے انسان سلامتی سے نہیں گزر سکتا، علوم حدیث کے سمندر میں غواصی کر کے ہر حدیث کی صحت اور درجہ بندی کے بارے میں خود اپنی رائے قائم کرنا انتہائی دشوار ہے، اس کے لئے فرصت وفراغت، اور علمی ریاضت درکار ہے، اس لئے بیشتر مجتہدین کو بھی یہاں راہ تقلید اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اس سلسلہ میں امام غزالیؒ نے بڑی واضح اور فکر انگیز گفتگو کی ہے۔

”الثاني وهو يخص السنة معرفة الرواية وتميز الصحيح منها عن الفاسد، والمقبول عن المردود فإن ما لا ينقله العدل عن العدل فلا حجة فيه، والتخفيف فيه أن كل حديث يفتى به مما قبلته الأمة فلا حاجة به إلى النظر في إسناده وإن خالفه بعض العلماء فينبغي أن يعرف رواتهم وعدالتهم فإن كانوا مشهورين عنده كما يرويه الشافعي عن مالک عن نافع عن ابن عمر مثلاً اعتمد عليه فهؤلاء قد تواتر عند الناس عدالتهم وأحوالهم، والعدالة إنما تعرف بالخبرة والمشاهدة أو بتواتر الخبر وما نزل عنه فهو تقليد وذلک بان يقلد البخاری ومسلما فی أخبار الصحيحين وإنهما ما رووها إلا عمن عرفوا عدالته فهذا مجرد تقليد، وإنما يزول التقليد بأن يعرف أحوال الرواة بتسامع أحوالهم وسيرهم ثم ينظر فی سيرهم إنها تقتضی العدالة أم لا وذلک طويل وهو فی زماننا مع كثرة الوسائط عسير والتخفيف فيه أن يكتفی بتعديل الإمام العدل بعد أن عرفنا أن مذهبه فی التعديل مذهب صحيح، فإن المذاهب مختلفة فيما يعدل به ويجرح فإن من مات قبلنا بزمان امتنعت الخبرة والمشاهدة فی حقه ولو شرط أن تواتر سيرته فذلک لا يصادف إلا فی الأئمة المشهورين فيقلد فی معرفة سيرته عدلا فيما يخبر فنقلده فی تعديله بعد أن عرفنا صحة مذهبه فی التعديل فإن جوزنا للمفتی الاعتماد على الكتب الصحيحة التي ارتضى الأئمة رواتها تقصر الطريق على المفتي وإلا طال الأمر وعسر الخطب في هذا الزمان مع كثرة الوسائط ولا يزال الأمر يزداد شدة بتعاقب الأعصار“ (۱۶)۔

ترجمہ: دوسرا (تکمیلی علم) جو سنت کے ساتھ خاص ہے، روایت کی معرفت، صحیح اور فاسد اور مقبول ومردود روایات میں تمیز کرنا ہے کیوں کہ جو روایت عادل راویوں سے منقول نہ ہو وہ حجت نہیں ہے اس میں تخفیف یہ ہے کہ ہر وہ حدیث جس پر فتوی دیا جاتا رہا، امت نے اسے قبول کیا اس حدیث کی سند دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں جس حدیث کی بعض

علماء نے مخالفت کی اس کے روایوں کے حالات اور ان کا عادل غیر عادل ہونا جانا پرکھا جائے گا، اگر اس حدیث کے تمام راوی مشہور ہوں، مثلاً امام شافعی امام مالک سے، امام مالک نافع سے، نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت کر رہے ہوں تو اس حدیث پر اعتماد کیا جائے گا، کیوں کہ ان حضرات کے حالات اور ان کا عادل ہونا تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور کسی راوی کی عدالت جاننے کی دو ہی طریقے ہیں (۱) تجربہ اور مشاہدہ، (۲) تواتر خبر، اس سے نیچے کا درجہ تقلید ہے۔ مثلاً کوئی شخص صحیحین کی روایات کے بارے میں امام بخاری، امام مسلم کی تقلید کرے یہ سمجھے کہ ان دونوں حضرات نے انہیں روایوں سے روایت کی ہے جن کی عدالت کا انہیں علم تھا، یہ نری تقلید ہے، یہ تقلید اس طرح زائل ہوسکتی ہے کہ انسان لوگوں سے روایوں کے احوال اور سیرتیں سن کر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کرے کہ ان احوال وکوائف کی بنا پر وہ عادل ہیں یا نہیں، یہ بہت لمبا کام ہے سند کی کڑیاں زیادہ ہوجانے کی وجہ سے ہمارے دور میں یہ مشکل کام ہے۔ اس میں تخفیف یہ ہے کہ جرح وتعدیل کے بارے میں کسی عادل امام حدیث کے مذہب کی صحت جان لینے کے بعد اس امام کی تعدیل پر اکتفا کیا جائے کیوں کہ جرح وتعدیل کے بارے میں ائمہ حدیث کے مختلف مذاہب ہیں، جو لوگ کافی زمانہ پہلے وفات پا چکے ہیں ان کے حق میں تجربہ اور مشاہدہ محال ہے اور اگر ان کی عدالت کے بارے میں تواتر کی شرط لگائی جائے تو یہ شرط شہرت یافتہ ائمہ کے بارے میں ہی پوری ہوسکتی ہے، لہٰذا اس کے سوا چارۂ کار نہیں کہ راویوں کی سیرت جاننے کے سلسلہ میں کسی عادل شخص کی تقلید کی جائے جرح وتعدیل کے بارے میں اس کے مذہب کی صحت سے واقف ہونے کے بعد تعدیل کے بارے میں ہم اس کی تقلید کریں۔ اگر ہم مفتی کے لئے احادیث صحیحہ کی ان کتابوں پر اعتماد کر لینا جائز قرار دیں جن کے راویوں کو ائمہ حدیث نے پسند کیا ہے تو مفتی کے لئے راستہ اور مختصر ہوجائے گا ورنہ اس دور میں سند کی کڑیاں بڑھنے کے ساتھ کام بہت مشکل، طویل اور دشوار ہوجائے گا، اور جوں جوں زمانہ گزرے گا اس کی شدت میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔

۳۔ ناسخ ومنسوخ کی معرفت:

آیات احکام ہوں یا احادیث احکام ان میں سے بعض منسوخ ہیں یعنی ان کا حکم شارع کی طرف سے موقوف و معطل کر دیا گیا ہے۔ ناسخ ومنسوخ آیات واحادیث کی شناخت کے لئے بہت سی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، قدیم وجدید مصنفین نے علم ناسخ ومنسوخ پر خوب خوب بحث وتحقیق کی ہے۔ مجتہد کے لئے ناسخ ومنسوخ آیات واحادیث کا احاطہ کرنا اور یاد رکھنا تو ضروری نہیں ہے لیکن جب وہ کسی آیت یا حدیث سے استنباط واستدلال کرے تو اس کے بارے میں یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہیں یہ آیت وحدیث منسوخ تو نہیں ہے اس کے لئے ان کتابوں کی طرف مراجعت کافی ہے جو ناسخ ومنسوخ آیات واحادیث کی شناخت کے لئے لکھی گئی ہیں (۱۷)۔

۴۔ اجماعی مسائل کی شناخت:

اجتہاد کرنے والے کے لئے اجماعی اور غیر اجماعی مسائل کی شناخت بہت ضروری ہے تاکہ وہ کوئی ایسا قول اختیار نہ کرے جو اجماع کے خلاف ہو، اس شرط کی وضاحت کرتے ہوئے امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

”مناسب ہے کہ اجماعی مسائل اس کے علم میں متمیز ہوں تاکہ اجماع کے خلاف فتویٰ نہ دے جس طرح اس کے لئے نصوص کے معرفت ضروری ہے تاکہ نصوص کے خلاف فتویٰ نہ دے، اس شرط میں تخفیف یہ ہے کہ اسے تمام اجماعی و

غیر اجماعی مسائل کا یاد ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اتنا کافی ہے کہ جس مسئلہ پر فتوی دینا چاہے اس کے بارے میں یقین حاصل کرلے کہ اس کا فتوی اجماع کے خلاف نہیں ہے۔اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اسے یہ علم ہو جائے کہ یہ واقعہ دور حاضر کی پیداوار ہے، نیا پیش آمدہ مسئلہ ہے، زمانۂ ماضی کے فقہاء نے اس کے بارے میں اظہار رائے نہیں کیا ہے‘‘(۱۸)

۵۔عربی زبان وادب پر عبور:

قرآن وحدیث اجتہاد کے بنیادی چشمے ہیں، یہ دونوں عربی زبان میں ہیں، قرآن فصاحت و بلاغت، ادب و بیان کے اعتبار سے بھی بے نظیر لافانی معجزہ ہے، نزول قرآن کے معاصر کفار عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز تھا لیکن قرآن کریم کی طرف سے بار بار چیلنج کئے جانے کے باوجود وہ لوگ قرآن کی ایک آیت کا مثل نہیں پیش کر سکے۔قرآن کی ہر آیت میں معانی واسرار کے سمندر پنہاں ہیں۔ارشادات نبوی بھی کسی معجزہ سے کم نہیں۔کلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی زبان و ادب کے بلند ترین معیار پر پورا اترتا ہے۔زبان رسالت سے نکلے ہوئے جوامع الکلم حقائق و معارف سے معمور ہیں اس لئے قرآن وسنت سے استنباط احکام کا کام وہی شخص کرسکتا ہے جسے عربی زبان اوراس کے اسالیب پر عبور ہو۔

کتاب وسنت سے احکام ومسائل کا استنباط بڑا نازک اور پر خطر کام ہے، اس کے لئے عربی زبان کی معمولی شدبد کافی نہیں بلکہ عربی زبان پر گہری نظر اور اس کا اچھا ذوق ضروری ہے، جو لوگ عربی زبان سے مکمل ناواقفیت کے باوجود محض قرآن وحدیث کے ترجموں کی مدد سے اجتہاد واستنباط کا حوصلہ رکھتے ہیں اور ہر شرعی مسئلہ میں رائے زنی ضروری سمجھتے ہیں، ایسے لوگ بڑی جسارت سے کام لیتے ہیں اور اپنے کو بڑے خطرہ میں ڈالتے ہیں۔کسی زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ خواہ کتنی ہنرمندی اور مہارت سے کیا جائے وہ اصل سے بے نیاز نہیں کرسکتا، ہر زبان کا اپنا الگ اسلوب اور طرز ادا ہوتا ہے، فصل ووصل، ذکر وحذف کے الگ قواعد ہوتے ہیں، فصیح وبلیغ کلام کے سلوٹوں اور اشارات میں جو معانی پنہاں ہوتے ہیں ان کی ادائیگی ترجمہ میں نہیں ہو پاتی۔اس لئے قرآن وحدیث کے تراجم کی مدد سے اجتہاد و استنباط کا شوق کرنا دین وایمان کے ساتھ کھلواڑ کرنا ہے۔

امام غزالیؒ کے بقول اجتہاد کے لئے یہ ضروری تو نہیں ہے کہ لغت اور نحو میں انسان خلیل اور مبرد کے مقام پر فائز ہو لیکن لغت اور علوم عربیت کا اتنا علم بہرحال ضروری ہے کہ انسان عربی زبان کی اسالیب اور اہل عرب کے طریقۂ خطاب سے بخوبی واقف ہو، تاکہ وہ آیات واحادیث میں صریح وظاہر، مجمل، حقیقت، مجاز، عام، خاص، محکم، متشابہ، مطلق ومقید کی شناخت کرسکے(۱۹)۔

علامہ ابواسحاق شاطبیؒ (۵۹۰ھ) نے شرائط اجتہاد پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ اجتہاد کے لئے جو علوم ناگزیر ہیں اجتہاد کرنے کے لئے ان میں سے کسی علم میں مقام اجتہاد پر فائز ہونا ضروری نہیں ہے، ہاں مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ عربی زبان میں اسے مقام اجتہاد حاصل ہو۔

”والأقرب في العلوم إلى أن يكون هكذا علم اللغة العربية ولا أعنى بذلك النحو وحده ولا التصريف وحده ولا اللغة ولا علم المعانی ولا غير ذلک من أنواع العلوم المتعلقة باللسان بل المراد جملة علم اللسان ألفاظ أو معانی كيف تصورت۔۔۔

إن الشريعة عربية وإذا كانت عربية فلا يفهمها حق الفهم إلا من فهم اللغة العربية حق الفهم ولأنهما سيان في النمط ما عدا وجوه الإعجاز فإذا فرضنا مبتدئا في فهم العربية فهو مبتدئ في فهم الشريعة أو متوسطا فهو متوسط في فهم الشريعة والمتوسط لم يبلغ درجة النهاية فإن انتهى إلى درجة الغاية في العربية كان كذلك في الشريعة فكان فهمه فيها حجة كما كان فهم الصحابة وغيرهم من الفصحاء الذين فهموا القرآن حجة، فمن لم يبلغ شأوهم فقد نقص من فهم الشريعة بمقدار التقصير عنهم وكل من قصر فهمه لم يعد حجة ولا كان قوله فيها مقبولاً، فلا بد من أن يبلغ في العربية مبلغ الأئمة فيها كالخليل وسيبويه والأخفش والجرمي والمازني ومن سواهم" (۲۰)

(تمام علوم میں عربیت اس بات کی سب سے زیادہ مستحق ہے کہ اس میں مقام اجتہاد پر فائز ہونا مجتہد کے لئے ضروری قرار دیا جائے، علم لغت عربیہ سے میری مراد نہ تنہا نحو ہے نہ صرف، نہ لغت نہ معانی، نہ عربی زبان سے متعلق کوئی دوسرا علم بلکہ عربی زبان سے تعلق رکھنے والے تمام علوم مراد ہیں خواہ ان کا تعلق الفاظ سے ہو یا معانی سے............

اسلامی شریعت عربی زبان میں ہے لہذا شریعت کو پورے طور پر وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو عربی زبان کو پورے طور پر سمجھ سکتا ہے، کیونکہ وجوہ اعجاز کے علاوہ اسالیب وغیرہ میں کتاب وسنت اور عربی زبان دونوں یکساں ہیں، اگر ہم کوئی ایسا شخص فرض کریں جو فہم عربیت میں مبتدی ہے تو وہ فہم شریعت میں بھی مبتدی ہوگا جو شخص فہم عربیت میں متوسط ہو وہ فہم شریعت میں بھی متوسط ہوگا، اور جو شخص فہم عربیت میں منتہی ہو وہ فہم شریعت میں منتہی ہوگا اور شریعت کے باب میں اس کا فہم حجت ہوگا، جس طرح صحابہ کرامؓ اور قرآن کو سمجھنے والے دوسرے فصحاء کا فہم حجت ہے، جو شخص فہم عربیت میں ان کے مقام تک پہنچ سکا اس کے فہم شریعت میں اتنا ہی نقص ہے جتنا نقص اس کے فہم عربیت میں ہے، اس کا فہم حجت نہیں ہے اور شریعت کے باب میں اس کا قول مقبول نہیں ہے، لہذا ضروری ہے کہ مجتہد عربیت میں ائمہ عربیت مثلاً خلیل، سیبویہ، اخفش، جرمی، مازنی وغیرہم کے مقام پر فائز ہو)۔

کچھ آگے چل کر شاطبیؒ نے عربی زبان وادب میں مقام اجتہاد پر فائز ہونے کی تشریح کی ہے اور اپنے نقطہ نظر اور دوسرے اہل اصول کے نقطۂ نظر میں تطبیق دیتے ہوئے لکھا ہے کہ عربیت میں مقام اجتہاد پر فائز ہونے سے مراد یہ ہے کہ انسان عربوں کی طرح عربی زبان سمجھنے لگے، یہ مراد نہیں ہے کہ پوری عربی زبان پر اسے عبور ہو جائے اور عربی کے دقائق کا استعمال کرنے لگے، اس کے بعد خلاصۂ کلام کے طور پر لکھتے ہیں:

"فالحاصل أنه لا غنى بالمجتهد في الشريعة عن بلوغ درجة الاجتهاد في كلام العرب، بحيث يصير فهم خطابها له وصفا غير متكلف ولا متوقف فيه الغالب إلا بمقدار توقف الفطن لكلام اللبيب" (۲۱)۔

(حاصل یہ ہے کہ مجتہد فی الشریعت کے لئے کلام عرب میں مقام اجتہاد پر فائز ہونا ضروری ہے اس طور سے کہ کلام عرب کا سمجھنا اس کا بے تکلف وصف بن جائے بلکہ کلام عرب سمجھنے میں عموماً اسے توقف نہ کرنا پڑتا ہو، ہاں ذہین شخص کا کلام سمجھنے میں جتنا توقف کرنا پڑتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں)۔

نجم الدین طوفی (۷۱۶ھ) نے شرح مختصر الروضۃ میں قرآن وحدیث سے بہت سی ایسی مثالیں دی ہیں جن کا معنی و مفہوم متعین کرنے میں نحو اور عربی ادب کی بنیاد پر فرق ہوتا ہے اور مختلف اجتہادی احکام کا بھی ذکر کیا ہے، اس کے بعد لکھا ہے:

”وعلم تتعلق به الأحكام الشرعية هذا التعليق جدير أن يكون معتبرا في الاجتهاد ويلحق بالعربية التصريف لما يتوقف عليه من معرفة أبنية الكلم والفرق بينها كما سبق في باب المجمل من لفظ مختار ومختال فاعلاً ومفعولاً“ (۲۲)

(جس علم سے احکام شریعت کا اتنا گہرا تعلق ہو اسے اجتہاد میں معتبر ہونا ہی چاہئے، علم عربیت کے ساتھ علم صرف بھی ملحق ہے کیوں کہ کلمات کے اوزان اوران کے باہمی فرق کا جاننا علم صرف پر موقوف ہے جیسا کہ باب المجمل میں لفظ مختار اور لفظ مختال کے بارے میں بہ صورت اسم فاعل واسم مفعول گزر چکا)۔

۶۔مقاصد شریعت کا علم:

اسلامی شریعت سے شارع کے متعین کلی مقاصد ہیں، شریعت کے احکام بندوں کے دنیوی یا آخروی مصالح کے لئے ہیں، ان مقاصد ومصالح کا علم احکام شریعت کا استقراء کرنے سے ہوتا ہے، انسان روح شریعت سے اسی وقت آشنا ہوسکتا ہے جب کہ تشریع اسلامی کے مقاصد ومصالح پراس کی گہری نظر ہو۔ اجتہاد کے لئے شریعت کے مقاصد ومصالح کا علم ناگزیر ہے۔ مقاصد شریعت پر مرکز اصولی گفتگو شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام (۶۶۰ھ) نے ”قواعدالاحکام فی مصالح الانام“ میں کی ہے اور امام ابواسحاق شاطبی (م ۷۹۰ھ) نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”الموافقات“ میں مقاصد شریعت کے بحث کوکمال تک پہنچایا ہے۔

عام اہل اصول کے یہاں اجتہاد کی اس شرط کا پوری وضاحت سے ذکر نہیں ملتا لیکن امام شاطبیؒ نے مجتہد کے لئے مقاصد شریعت کے علم کوسب سے پہلے لازم قرار دیا ہے، کیوں کہ ان علوم کے بغیر مقاصد شریعت کی واقفیت نامکمل رہتی ہے اور مقاصد شریعت کے فہم کے بغیر استنباط احکام کا عمل پورے طور پر نہیں ہوسکتا ہے۔

امام شاطبی رقم طراز ہیں:

”إنما تحصل درجة الاجتهاد لمن اتصف بوصفين أحدهما فهم مقاصد الشريعة على كمالها والثاني التمكن من الاستنباط بناء على فهمه فيها (أما الأول) فقد مر في كتاب المقاصد أن الشريعة مبنية على اعتبار المصالح وأن المصالح إنما اعتبرت من حيث وضعها الشارع كذلك لا من حيث إدراك المكلف فإذا بلغ الإنسان مبلغا فهم عن الشارع فيه قصده في كل مسألة من مسائل الشريعة وفي كل باب من أبوابها فقد حصل له وصف هو السبب في تنزله منزلة الخليفة للنبي ﷺ في التعليم والفتيا والحكم بما أراه الله (وأما الثاني) فهو كالخادم للأول، فإن التمكن من ذلك إنما هو بواسطة معارف يحتاج إليها في فهم الشريعة أولا ومن هنا كان خادماً للأول وفي استنباط الأحكام ثانياً لكن لا تظهر ثمرة الفهم إلا في الاستنباط فلذلك جعل شرطاً ثانيا، وإنما كان الأول هو السبب في بلوغ هذه المرتبة لأنه المقصود والثاني وسيلة“ (۲۳)۔

(مقام اجتہاد اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس میں دو اوصاف پائے جائیں: ۱۔ مقاصد شریعت کو پورے طور پر سمجھتا ہو، ۲۔ مقاصد شریعت سمجھنے کی بنا پر استنباط احکام کی قدرت رکھتا ہو، جہاں تک پہلے وصف کا تعلق ہے اس سلسلہ میں کتاب المقاصد میں گزر چکا ہے کہ شریعت مصالح کے اعتبار پر مبنی ہے اور مصالح وہی معتبر ہیں جنہیں شارع نے وضع کیا ہے

مکلف کے علم وادراک کے لحاظ سے مصالح معتبر نہیں۔۔۔۔جب انسان ایسے مقام کو پہنچ گیا کہ شریعت کے ہر مسئلہ اور ہر باب کے بارے میں شارع کا مقصد سمجھ گیا تو اسے ایک ایسا وصف حاصل ہو گیا جس کی وجہ سے وہ تعلیم ،فتوی ،قضاء کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت وخلافت سے سرفراز ہو گیا، دوسرا وصف پہلے وصف کے لئے خادم کی حیثیت رکھتا ہے کیوں کہ استنباط احکام پر قدرت چند ایسے علوم کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے جن کی ضرورت اولاً فہم شریعت کے لئے پڑتی ہے اور ثانیاً استنباط احکام کے لئے پڑتی ہے لیکن فہم شریعت کا ثمرہ استنباط احکام ہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اس لئے اسے شرط دوم قرار دیا گیا۔ پہلا وصف اس مقام تک پہنچنے کے لئے سبب بنا اس لئے مقصود ہوا اور دوسرے کو وسیلہ کہا گیا)۔

مختلف فقہاء مجتہدین کے یہاں استحسان واستصلاح عرف وغیرہ کے جو ثانوی اصول استنباط کارفرما نظر آتے ہیں ان کے تحت آنے والے مسائل واحکام کا نظر غائر سے مطالعہ کرنے سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ ثانوی اصول استنباط کا مقصد شریعت کے مقاصد ومصالح کو بروئے کار لانا ہے۔

تمام اہل اصول کے مقاصد شریعت سے واقفیت کی شرط ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اجتہاد میں یہ شرط معتبر نہیں ہے بلکہ ان حضرات نے اجتہاد کی جو شرطیں ذکر کی ہیں ان کے پائے جانے کی شکل میں انسان مقاصد شریعت سے بخوبی واقف ہو جاتا ہے،جس شخص کی آیات احکام اور احادیث احکام پر عمیق نظر ہو،عربی زبان کے ادب واسالیب کا ماہر اور رمز شناس ہو،قواعد استنباط اور اصول اجتہاد پر کامل عبور ہو، ایسا شخص مقاصد شریعت سے بخوبی آگاہ کیوں نہ ہوگا۔

۷۔علم اصول فقہ کی معرفت:

مآخذ شریعت سے احکام شرعیہ کے استنباط کے اصول وقواعد کا نام علم اصول فقہ ہے انسان کو جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ مصادر شرع سے احکام کا استنباط کس طرح کیا جائے،اس کے کیا اصول ومناہج ہیں وہ اجتہاد کا نازک فریضہ کس طرح انجام دے سکتا ہے اس اجتہاد کے لئے علم اصول فقہ میں مہارت از حد ضروری ہے۔

امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کے نزدیک اجتہاد کے لئے جو آٹھ علوم ناگزیر ہیں ان کا قدرے تفصیلی ذکر کرنے کے بعد موصوف لکھتے ہیں:

"فهذه هي العلوم الثمانية التي يستفاد بها منصب الاجتهاد ومعظم ذلك يشتمل عليه ثلاثة فنون علم الحديث وعلم اللغة وعلم أصول الفقه" (۲۴)۔

(یہ آٹھ علوم وہ ہیں جن کے ذریعہ منصب اجتہاد حاصل ہوتا ہے،ان آٹھ علوم کا بڑا حصہ تین علوم میں سمٹ آتا ہے، علم حدیث،علم لغت،علم اصول فقہ)۔

علم اصول فقہ میں فقہاء اسلام کے اصول استنباط مرتب نہیں کئے گئے ہیں، مجتہدین اسلام کے اصول اجتہاد، اور مناہج استنباط اگرچہ بنیادی طور پر یکساں ہیں لیکن کچھ چیزوں میں ان کا باہمی اختلاف بھی ہے اس لئے اصول فقہ کے متعدد اسکول وجود میں آئے۔مجتہد کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے الگ اصول استنباط وضع کرے بلکہ وہ کسی سابق مجتہد کے اصول اجتہاد واستنباط کو پوری طرح سمجھ کر ان کی روشنی میں اجتہاد کا عمل کر سکتا ہے۔علامہ شوکانی کے نزدیک مجتہد

کے لئےضروری ہے کہ وہ کسی سابق مجتہد کے اصول استنباط کی پیروی کرنے کے بجائے خود بحث وتحقیق کر کے اپنے اصول اجتہادواستنباط متعین کرے(۲۵)۔

علامہ شوکانی کہ یہ رائے مجتہد مطلق کے لئے تو درست ہے لیکن مطلق اجتہاد کے لئے یہ شرط لگانا کار اجتہاد کے موقوف کرنے کے مرادف ہے۔

امام رازیؒ نے لکھا ہے مجتہد کے لئے سب سے اہم علم اصول فقہ ہے(۲۶)۔

۸۔علم فقہ کی معرفت:

فقہ اسلامی کا عظیم الشان ذخیرہ ہمارے فقہاء کی اجتہادی کوششوں اور کاوشوں کا ثمرہ اور مجموعہ ہے، کیا مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس علمی ذخیرہ پر بھی عبور رکھتا ہواور اس دریا کا بھی شناور ہے، عام طور سے اہل اصول نے اس کا جواب نفی میں دیا ہے۔ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ فقہی مسائل وفروع اجتہاد کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں لہذا ان کی معرفت کو اجتہاد کے لئے شرط کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ اہل اصول فقہ کو اس حقیقت کا بھی اعتراف ہے کہ ہمارے زمانے میں مقام اجتہاد علم فقہ کی مزاولت اور ممارست سے حاصل ہوتا ہے، فقہی کتابوں کے مطالعہ سے اجتہاد کی مشق اور ٹریننگ ہوتی ہے۔

امام غزالیؒ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مجتہد کو علم کلام اور فقہی تفریعات کی حاجت نہیں، فقہی تفریعات کی ضرورت کیسے ہوسکتی ہے جب کہ مجتہدین ہی مقام اجتہاد پر فائز ہونے کے بعد ان تفریعات کو وجود بخشتے ہیں، ہاں ہمارے زمانے میں مقام اجتہاد فقہ کی ممارست سے حاصل ہوتا ہے، اس زمانہ میں اجتہاد کی مشق کا یہی طریقہ ہے، صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں یہ طریقہ نہیں تھا، آج بھی صحابہ کرام کے طریق پر چلا جاسکتا ہے''(۲۷)۔

علامہ تاج الدین سبکی الابھاج فی شرح المنہاج میں لکھتے ہیں:

''مجتہدین کو فقہی تفریعات کی بھی ضرورت نہیں ہے، مجتہد ان تفریعات کا محتاج کیسے ہوسکتا جب کہ یہ تفریعات مجتہد کے نتائج فکر اور فیصلے ہوتے ہیں۔۔۔۔فقہ کا شرط ہونا استاد ابواسحق سے منقول ہے، شاید ان کی مراد فقہ کی ممارست ہو، امام غزالی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔۔۔۔ابن صلاح کہتے ہیں صحیح یہ ہے کہ اس مفتی کی صفات میں جس سے فرض کفایہ ادا ہوتا ہے فقہ کی شرط لگائی جائے اگر چہ مجتہد مستقل کی صفات میں یہ شرط نہ ہو، کیوں کہ مفتی کی حالت اس بات کی متقاضی ہے کہ اسے ایسے حال میں ہونے کی شرط لگائی جائے کہ وہ آسانی سے زیادہ مشقت کے بغیر واقعات کے احکام جان سکے اور یہ بات کسی کو اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ فقہ کے ابواب ومسائل کو یاد کئے ہوئے ہو۔تمام ابواب ومسائل کا حفظ ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اتنا یاد ہونا ضروری ہے جس کی مدد سے بآسانی باقی کا ادراک کر سکے''(۲۸)۔

امام الحرمین عبدالملک جوینی نے مجتہد کے لئے علم فقہ کی معرفت شرط لگانے کے ساتھ فقیہ النفس ہونے کی بھی شرط لگائی ہے اور اسے ایک فطری وصف قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

''ثم یشترط وراء ذلک کله فقه النفس فهو رأس مال المجتهد و لا یتأتی کسبه فإن جبل علی ذلک فهو المراد و إلا فلا یتأتی تحصیله بحفظ الکتب (۲۹)۔

(پھران سب کے علاوہ فقیہ النفس ہونا شرط ہے کیوں کہ یہی مجتہد کی اصل پونجی ہے، اسے کما کر حاصل نہیں کیا جا سکتا، اگر اس میں فطری طور پر فقاہت نفس ہے تب تو مقصد حاصل ہے ورنہ کتابیں یاد کرکے یہ صفت حاصل نہیں کی جا سکتی)۔

۹۔ قیاس کا علم:

کار اجتہاد کے لئے قیاس کی حقیقت، اس کے ارکان وشرائط کا علم بنیادی اہمیت رکھتا ہے، قیاس ہی کے ذریعہ منصوص مسائل کے ساتھ غیر منصوص مسائل کا الحاق کیا جاتا ہے، نئے مسائل جن کے بارے میں شارع کی طرف سے نصوص وارد نہیں ہیں انہیں احکام شرعیہ کے دائرے میں لانے کا عمل قیاس کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ اجتہاد قیاس ہی کے اندر دائر نہیں ہے لیکن قیاس اجتہاد کا سب سے بڑا حصہ ضرور ہے لیکن قیاسِ شرعی قیاس آرائی کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے متعین اصول وضوابط ہیں، ان کی پابندی کرتے ہوئے قیاس کو روبہ عمل لایا جائے گا۔ اصول وضوابط سے آزاد ہوکو قیاس کا استعمال اجتہاد نہیں بلکہ انتشار والحاد ہے، اس لئے مجتہد کے واسطے ناگزیر ہے کہ وہ قیاس شرعی کی حقیقت، اس کے اصول وضوابط، دائرہ اور طریقۂ کار کا گہرا علم رکھتا ہو۔

علامہ تاج الدین سبکی (۷۷۱ھ) شرائط اجتہاد پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ورابعها القياس فلتعرفه وتعرف شرائطه فإنه مناط الاجتهاد وأصل الرأى و منه يتشعب الفقه وأساليب الشريعة“ (۳۰)۔

(چوتھی چیز قیاس ہے، قیاس اور شرائط قیاس کو جان لو کیونکہ قیاس ہی مدار اجتہاد ہے اور رائے کی اصل واساس ہے اسی سے فقہ اور اسالیب شریعت پھوٹتے ہیں)۔

بعض حضرات کی رائے ہے کہ علم اصول فقہ کی شرط لگانے کے بعد مستقلاً معرفت قیاس کی شرط لگانا مناسب نہیں ہے کیونکہ قیاس علم اصول فقہ کا ایک اہم مبحث ہے، اصول فقہ کے اکثر مصنفین نے قیاس پر سیر حاصل تحقیقی بحثیں کی ہیں، لہذا اصول فقہ پر عبور حاصل ہونے کے بعد انسان قیاس کے طریقہ اور اس کے اصول وشرائط سے بہ خوبی آگاہ ہو جائے گا۔

۱۰۔ ایمان وعدالت:

اجتہاد کے لئے ایمان اساسی شرط ہے۔ ایمان سے مراد محض نسلی اور رسمی ایمان نہیں بلکہ حقیقی ایمان ہے، مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالی کی ذات وصفات، توحید، رسالت، آخرت اور دوسرے اسلامی عقائد پر اسے غیر متزلزل یقین ہو، مذہب اسلام اور اسلامی شریعت کی ابدیت پر اس کا گہرا اعتقاد ہو، وہ ضعف ایمانی اور ذہنی الحاد کا شکار نہ ہو، نہ ہی غیر اسلامی نظریات اور فلسفوں سے مرعوب ومتاثر ہو، اجتہاد ایک ذہنی اور فکری عمل ہے، یہ عمل صحیح طور پر اسی وقت انجام پا سکتا ہے جب انسان کا دل ودماغ اسلامی سانچے میں ڈھلا ہوا ہو۔ جو لوگ نسلی طور پر مسلمان ہونے کے باوجود اسلامی شریعت کو ماضی کی ایک فرسودہ شریعت اور نظام قانون مانتے ہیں، جن کا خیال یہ ہے کہ اسلامی قوانین چودہ سو سال پہلے کی غیر متمدن ممالک کی ضرورتوں کا ساتھ تو دے سکتے ہیں لیکن دور حاضر میں کاروان انسانیت کی رہنمائی نہیں کر سکتے ان کا اجتہاد، اجتہاد نہیں بلکہ اسلامی شریعت میں حذف واضافہ، ترمیم وتنسیخ ہے۔

مشہور اصولی مصنف سیف الدین آمدی (۶۳۱ھ) اجتہاد کے لئے ایمان کو شرط اولین قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الشرط الأول أن يعلم وجود الرب تعالى وما يجب له من الصفات ويستحقه من الكمالات وإنه واجب الوجود لذاته حى، عالم، قادر، مريد، متكلم حتى يتصور منه التكليف وأن يكون مصدقا بالرسول وماجاء به من الشرع المنقول بما ظهر على يده من المعجزات والآيات الباهرات ليكون فيما يسند إليه من الأقوال والأحكام محققا، ولا يشترط أن يكون عارفا بدقائق علم الكلام متبحرا فيه كالمشاهير من المتكلمين بل أن يكون عارفاً بما يتوقف عليه الإيمان"(۳۱)۔

اہل اصول نے مجتہد کے لئے جو صفات ذکر کی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ مجتہد عادل، خداترس، باکردار ہو، حق و صداقت کا جویا ہو، اپنی دنیا بنانے کے لئے بھی اپنا دین نہ بیچے، چہ جائے کہ دوسروں کی دنیا بنانے کے لئے۔ جو شخص فاسق، ناخداترس، نفس پرست اور دنیادار ہو اس پر دین کے بارے میں کیسے اعتبار کیا جا سکتا ہے، جب شریعت نے روایت اور شہادت کے باب میں عدالت کی شرط لگائی ہے تو اجتہاد جیسے نازک اہم ترین دینی کام میں عدالت کی شرط کیوں نہ ہوگی، بعض اہل اصول نے اجتہاد کے لئے عدالت کی شرط لگائی ہے۔

مسائل اجتہاد

شریعت کے تمام احکام و مسائل اجتہاد کا محل نہیں ہیں، اہل اصول نے مسائل اجتہاد کی تحدید و تعیین کر دی ہے، مسائل اجتہاد کی تحدید اس لئے ضروری ہے تاکہ انسان غیر اجتہادی مسائل میں شوق اجتہاد کر کے گنہ گار نہ بنے۔

امام رازی (۶۰۶ھ) مسائل اجتہاد کی حد بندی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"المجتهد فيه هو كل حكم شرعى ليس فيه دليل قاطع، واحترزنا بالشرعى عن العقليات ومسائل الكلام وبقولنا ليس فيه دليل قاطع عن وجوب الصلوة الخمس والزكوة وما اتفقت عليه الأمة من جليات الشرع"(۳۲)۔

(مجتہد فیہ ہر وہ حکم شرعی ہے جس کے بارے میں قطعی دلیل موجود نہ ہو، ہم نے شرعی کی قید لگا کر عقلیات اور کلامی مسائل سے احتراز کیا ہے اور دلیل قطعی نہ ہونے کی قید لگا کر پنجوقتہ نمازوں اور زکوۃ کی فرضیت اور شریعت کی جلی مسائل جن پر امت کا اجماع ہے ان سے احتراز کیا ہے)۔

امام غزالیؒ مسائل اجتہاد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مجتہد فیہ ہر وہ حکم شرعی ہے جس کے بارے میں دلیل قطعی موجود نہ ہو۔ شرعی کی قید لگا کر ہم نے عقلیات اور مسائل کلام سے احتراز کیا کیوں کہ ان میں حق ایک ہوتا ہے۔ مصیب (حق تک پہنچنے والا) ایک ہوتا ہے، خطا کرنے والا گنہ گار ہوتا ہے۔ اور مجتہد فیہ سے ہماری مراد وہ مسائل ہوتے ہیں جن میں خطا کرنے والا گنہ گار نہیں ہوتا، پنج وقتہ نمازوں اور زکوۃ کی فرضیت، شریعت کے وہ روشن مسائل جن پر امت کا اتفاق ہے ان کے بارے میں قطعی دلائل موجود ہیں، ان سے اختلاف کرنے والا گنہ گار ہوتا ہے لہذا یہ مسائل اجتہاد کا محل نہیں ہیں" (۳۳)۔

مسائل اجتہاد کی تحدید و تعیین کے بارے میں تقریباً تمام اہل اصول متفق الرائے ہیں (۳۴) سب نے انہیں خیالات کا ذکر کیا ہے جن کا ذکر امام رازی اور امام غزالی کے حوالہ سے کیا گیا ہے۔

اجتہادی اور غیر اجتہادی مسائل کے درمیان خط فاصل کھینچنے کے لئے دلیل قطعی اور دلیل ظنی کی تعیین ضروری ہے۔

دلیل قطعی وہ ہے جس کا ثبوت صاحب شریعت سے قطعی ہو اور اپنے معنی پر اس کی دلالت بھی قطعی ہو، دلیل قطعی اسی کو کہا جائے گا جس کا ثبوت اور دلالت دونوں قطعی ہوں۔قرآن کریم پورا کا پورا قطعی الثبوت ہے۔اس کا کلام الٰہی ہونا ہر شبہ سے بالاتر ہے، اسی طرح متواتر احادیث بھی قطعی الثبوت ہیں۔لہذا جو آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ دلالت کے اعتبار سے بھی قطعی ہوں، اپنے معنی پر حد درجہ صراحت ووضاحت سے دلالت کرنے کی بنا پر ان میں کوئی ابہام واجمال نہ ہو وہ دلیل قطعی کے زمرے میں آتی ہیں۔اسی طرح اجماع صریح دلیل قطعی ہے، دلائل قطعیہ سے ثابت احکام اجتہاد سے بلند ہوتے ہیں۔اس طرح کے احکام امت میں معروف ومسلم ہوتے ہیں، ان کے دلائل انتہائی درخشاں اور واضح ہوتے ہیں اس لئے انہیں دریافت کرنے کے لئے قوت اجتہاد درکار نہیں ہوتی۔

دلیل ظنی وہ دلیل ہے جس کا ثبوت اور دلالت دونوں ظنی ہوں یا ثبوت قطعی ہو دلالت ظنی ہو یا ثبوت ظنی ہو دلالت قطعی ہو، اس طرح دلیل ظنی کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں۔

۱۔قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ۔مثلاً وہ آیات قرآنی اور احادیث متواترہ جو اپنے مضمون اور معنی پر پورے صراحت اور وضاحت سے دلالت نہیں کرتیں ان میں کسی مشترک لفظ کے استعمال کی وجہ سے یا تعبیر میں استعارہ کنایہ یا اجمال کی وجہ سے ایک سے زائد معانی کا احتمال رہتا ہے۔مثلاً مطلقہ عورت کی عدت سے متعلق آیت "والمطلقات یتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء" میں لفظ قرء کی جمع قروء کا استعمال ہوا ہے اور لفظ "قروء" عربی زبان میں مشترک ہے اس کے معنی کبھی طہر ہوتا ہے کبھی حیض، یہاں پر اس لفظ کی تشریح میں اختلاف کی وجہ سے مجتہدین میں اختلاف ہو گیا، بعض کا مسلک یہ ہوا کہ مطلقہ عورتوں کی عدت تین حیض ہے اور بعض کی رائے یہ ہوئی کہ ان کی عدت تین طہر ہے۔

۲۔ ظنی الثبوت قطعی الدلالت۔احادیث متواترہ کے علاوہ دوسری تمام حدیثیں ظنی الثبوت ہیں۔رسول اللہ ﷺ سے ان کا ذریعہ ثبوت ونقل قطعی اور یقینی نہیں ہوتا، ان احادیث میں سے جن کی دلالت اپنی معنی ومفہوم پر انتہائی واضح اور صریح ہو وہ ظنی الثبوت قطعی الدلالت کے زمرے میں آتی ہیں۔

۳۔ ظنی الثبوت ظنی الدلالت۔وہ اخبار آحاد جن کی اپنے مفہوم پر دلالت واضح اور صریح نہ ہو، ان میں ایک سے زائد معانی کا احتمال ہو، وہ سب ظنی الثبوت ظنی الدلالت ہیں۔

نصوص کتاب وسنت کے علاوہ جو دوسرے دلائل شرعیہ ہیں ان میں سے اجماع سکوتی، قیاس، استحسان، استصلاح، عرف وغیرہ ظنی دلائل ہیں۔

مسائل اجتہاد کی تحدید اور اجتہادی وغیر اجتہادی مسائل کی تعیین کے بارے میں کچھ تفصیلی گفتگو اس لئے ضروری معلوم ہوئی کہ دور حاضر میں بہت سے تجدد پسند مدعیان اجتہاد دین کے مسلمات، قطعیات اور منصوصات صریحہ کے بارے میں اجتہاد کے نام پر مشق ستم کر رہے ہیں، طلاق کا اختیار صرف مردوں کو ہونا، میراث میں لڑکوں کا لڑکیوں کے مقابلہ میں دوہرا حصہ ہونا، خنزیر اور سود کا حرام قطعی ہونا، یہ اور اس طرح کے بے شمار دینی مسلمات اور منصوصات صریحہ ہیں جنہیں اجتہاد کے نام پر بدلنے کی کوشش کی جا رہی ہے، ایسی کوششیں اجتہاد ہرگز نہیں بلکہ دین کے ساتھ کھلواڑ اور خالص نفس پرستی

اور دنیا پرستی ہے۔اور یہ دین وشریعت میں تحریف کی ایک عیارانہ یا انتہائی غیر دانشمندانہ کوشش کے سوا کچھ نہیں۔

کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا؟

اجتہاد ایک شرعی ضرورت بلکہ ایک شرعی فریضہ ہے، اسلام قیامت تک کے لئے اللہ تعالی کا بھیجا ہوا آخری مذہب ہے، قیامت تک ظاہر ہونے والے نئے حالات ومسائل میں انسانیت کے لئے رہنما ہے، علماء امت کا فریضہ ہے کہ نت نئے حالات ومسائل میں کتاب وسنت کی اصولی ہدایات اور تعلیمات کی روشنی میں امت کی رہنمائی کریں، اور نئے پیش آمدہ مسائل کا شرعی حکم متعین کریں۔

اسلامی شریعت کا جاوداں اور لازوال ہونا، ہر زمانہ اور ہر طرح کے حالات میں انسانیت کی رہنمائی کے لائق ہونا اجتہاد کے ہی ذریعہ ثابت ہوتا ہے، چنانچہ ہر زمانہ کے بابصیرت فقہاء نے سلسلۂ اجتہاد کو جاری رکھتے ہوئے اپنے دور کے حالات ومسائل کا شرعی حل اور حکم بیان کیا اور ہر طرح کے حالات میں امت کی دینی رہنمائی کی، حوادث ونوازل کے بارے میں متاخرین فقہاء اور اصحاب افتاء کی تحریروں کا مطالعہ کرنے سے بھی یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ان حضرات نے ائمہ مجتہدین کے بیان کردہ اصول اجتہاد و استنباط کی پابندی کرتے ہوئے مصادر شریعت کتاب وسنت، اجماع و قیاس، استحسان، استصلاح وغیرہ کی روشنی میں نئے پیش آمدہ مسائل ومشکلات کا شرعی حل تلاش کیا، یہ عذر کرکے اپنی ذمہ داریوں سے دست کش نہیں ہوئے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا، اب کسی کو حق نہیں کہ وہ کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط کرے۔

بعض اہل اصول نے یہ ضرور لکھا کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا لیکن ان کے اس جملہ کو یہ معنی پہنانا کہ ان کے نزدیک چوتھی صدی ہجری کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ان کے نظریہ اور دعوی کی غلط تشریح اور ترجمانی ہے۔

حضرت تھانویؒ کی تصریحات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’چوتھی صدی ہجری کے بعد اجتہاد ختم ہو جانے کا معنی یہ نہیں ہے کہ چار سو برس کے بعد کسی کو اجتہاد کے قابل دماغ نہیں ملا، کیوں کہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں، علاوہ ازیں یہ مطلق صحیح بھی نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ ہر زمانہ میں ہزاروں ایسی جزئیات نئی نئی پیش آتی ہیں جن کا کوئی جواب ائمہ مجتہدین سے منقول نہیں اور علماء خود اجتہاد کر کے ان کا جواب بتلاتے ہیں، پس اگر اجتہاد کا باب بالکل بند ہو گیا ہے اور اب کسی کا دماغ اجتہاد کے قابل نہیں ہو سکتا، تو کیا ایسے نئے نئے مسائل کا جواب شریعت سے نہیں ملے گا یا ان مسائل کے جواب کے لئے کوئی نیا نبی آسمان سے اترے گا؟ ’’**الیوم أکملت لکم دینکم**‘‘ سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی تکمیل ہو چکی، دروازۂ اجتہاد اگر بالکل بند کر دیا جائے تو پھر شریعت کی تکمیل کس طرح مانی جائے گی کیوں کہ ظاہر ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ ان کا جواب کتب فقہ میں مذکور نہیں، نہ ائمہ مجتہدین سے کہیں منقول، ایک سوال آیا تھا کہ ہوائی جہاز میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں اب بتلایئے کہ اگر اجتہاد چار سو برس کے بعد بالکل جائز نہیں تو اس مسئلہ کا شریعت میں کوئی بھی جواب نہیں، پہلے زمانے میں نہ ہوائی جہاز تھا نہ فقہاء اس کو

جانتے تھے، نہ کوئی حکم لکھا، اب ہم لوگ خود اجتہاد کرتے ہیں اور ایسے نئے نئے مسائل کا جواب دیتے ہیں۔

فقہاء رحمہم اللہ کے اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ چار سو برس کے بعد اجتہاد بالکل بند ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اجتہاد فی الاصول کا دروازہ بند ہو گیا اور اجتہاد فی الفروع اب بھی بالکل باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ اگر اجتہاد فی الفروع بھی اب نہ ہو سکے تو شریعت کے نامکمل ہونے کا شبہ ہوگا جو کہ بالکل غلط ہے شریعت میں کسی قسم کی کمی نہیں، قیامت تک جس قدر صورتیں پیش آتی رہیں گی سب کا جواب ہر زمانہ کے علماء شریعت سے نکالتے رہیں گے، کیوں کہ یہ جزئیات اگر کتب فقہ میں نہیں تو اصول وقواعد تو سب پہلے مجتہدین بیان کر چکے ہیں جن سے قیامت تک کے واقعات کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔

البتہ قرآن وحدیث سے اصول مستنبط کرنا یہ اب نہیں ہو سکتا، یہ خاص اجتہاد فی الاصول چار سو سال کے بعد ختم ہو گیا کیوں کہ اول تو جس قدر اصول وقواعد شریعت کے تھے وہ سب ائمہ مجتہدین بیان کر چکے، انہوں نے کوئی قاعدہ چھوڑا نہیں دوسرے ان کے بعد اگر کسی نے اصول مستنبط کئے بھی تو وہ مستحکم نہیں، کہیں نہ کہیں ضرور ٹوٹتے ہیں" (۳۵)۔

علامہ سیوطی کا نقطہ نظر

شیخ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) اجتہاد کے مسئلے میں بہت پرجوش ہیں، انہوں نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ہے "الرد علی من أخذ إلی الأرض وجهل أن الاجتهاد فی کل عصر فرض" اس کتاب کے نام سے خود اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسئلہ اجتہاد میں علامہ سیوطی کی حساسیت کس قدر بڑھی ہوئی ہے، اجتہاد کے بارے میں اس قدر پرجوش ہونے کے باوجود انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ مجتہد مستقل جس کے اپنے اصول استنباط ہوتے ہیں ایک زمانہ سے ناپید ہے۔

"إن المجتهد المطلق أعم من المجتهد المستقل والمجتهد المقيد، فإن المستقل هو الذی استقل بقواعد نفسه يبنی عليها الفقه خارجا عن قواعد المذاهب المقررة وهذا شئ فقد من دهر، بل لو أراده الإنسان اليوم لامتنع عليه ولم يجز له، نص عليه غير واحد، قال ابن برهان فی كتابه فی الأصول: اصول المذاهب وقواعد الأدلة منقولة عن السلف فلا يجوز أن يحدث فی الأعصار خلافها، وقال (ابن المنير) أتباع الأئمة الآن الذين حازوا شروط الاجتهاد مجتهدون ملتزمون أن لا يحدثو مذهبا، أما كونهم مجتهدين فلأن الأوصاف قائمة بهم، وأما كونهم ملتزمين أن لا يحدثوا مذهبا فلأن أحداث مذهب زائد بحيث يكون لفروعه أصول وقواعد سوى قواعد المتقدمين متعذر الوجود لاستيعاب المقدمين لسائر الأساليب" (۳۶)۔

(مجتہد مطلق مجتہد مستقل اور مجتہد مقید سے عام ہے کیوں کہ مجتہد مستقل وہ ہے جس کے اپنے الگ قواعد استنباط ہوں، دوسرے ثابت شدہ مذاہب سے ہٹ کر اپنے قواعد پر فقہ کی بنیاد رکھے، ایسا اجتہاد ایک زمانہ سے مفقود ہے، بلکہ اگر اس زمانہ میں کوئی ایسا اجتہاد کرنا چاہے تو اس کے لئے ایسا کرنا ممنوع اور ناجائز ہے، اس کی صراحت متعدد اہل اصول نے کی ہے، ابن برہان اصول فقہ کے موضوع پر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: مذاہب کے اصول اور ادلہ کے قواعد سلف سے منقول

ہیں ان زمانوں میں ان اصول وقواعد کے برخلاف اصول ایجاد کرنا جائز نہیں ہے۔ ابن منیر لکھتے ہیں: موجودہ دور میں ائمہ کے وہ متبعین جو شرائط اجتہاد کے جامع ہیں مجتہد ملتزم ہیں، اس بات کے پابند ہیں کہ کوئی مذہب ایجاد نہ کریں، وہ لوگ مجتہد اس لئے ہیں کہ اوصاف اجتہاد کے حامل ہیں اور کوئی مذہب ایجاد نہ کرنے کے پابند اس وجہ سے ہیں کہ ایسے زائد مذہب کا ایجاد جس کے فروع کے لئے متقدمین کے قواعد سے علیحدہ مستقل قواعد ہوں متعذر الوجود ہے کیوں کہ متقدمین نے تمام اسالیب استنباط کا احاطہ کرلیا ہے)۔

واقعہ یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کے اصول ونتائج استنباط سے ہٹ کر اجتہاد واستنباط کے نئے اصول وقواعد وضع کرنا اور ان پر جدید فقہ کی تشکیل وتدوین کرنا بعض جدت طراز ذہنوں کا ایسا خواب ہے جو شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا، فقہ اور اصول فقہ کا وسیع وعمیق مطالعہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ اجتہاد واستنباط کے جو جو اصول ومناہج ممکن تھے انہیں ائمہ متقدمین نے مرتب کردیا، اور اس سلسلے میں ذہانت، نکتہ رسی اور طباعی کی ایسی مثالیں قائم کی ہیں جن کی نظیر دوسرے مذاہب اور اصول قانون کی تاریخ میں نہیں ملے گی، بعد کے ادوار میں جن حضرات نے مستقل اصول سازی کی کوشش کی ان کی جدوجہد کا حاصل اس سوا کچھ اور نہیں ہے کہ انہوں نے مختلف اجتہادی مکاتب فکر سے خوشہ چینی کرکے اپنی الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد تعمیر کرنی چاہی جس میں انہیں کامیابی نہیں مل سکتی۔

اسلام کی حفاظت کا بندوبست اللہ جل شانہ نے اس طرح بھی فرمایا کہ اسلام کو جس دور میں جس صلاحیت کے افراد درکار ہوئے انہیں پیدا فرمایا، ایک خاص زمانہ کے بعد مجتہد مستقل کے ناپید ہونے کی تکوینی مصلحت پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

”قدرتی قاعدہ ہے کہ ہر شے عموماً اپنی ضرورت کے وقت ہی ہوا کرتی ہے، جس فصل میں عموماً بارش کی حاجت ہوتی ہے اسی فصل میں بارش ہونے کا قاعدہ ہے، اسی طرح ہوائیں حاجت کے وقت چلا کرتی ہیں۔۔۔اسی طرح جب تک تدوین حدیث کی ضرورت تھی بڑے بڑے قوی حافظہ کے لوگ پیدا ہوئے تھے، اب ویسے نہیں ہوتے۔۔۔اسی طرح جب تک تدوین دین کی ضرورت تھی قوت اجتہاد والے یہ لوگ بھی بہ خوبی موجود تھی اب چوں کہ دین مدون ہو چکا اور اصول قواعد ممہد ہو چکے اب اجتہاد کی اتنی ضرورت نہیں رہی، ہاں جس قدر اب بھی اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے اتنی قوت اجتہادیہ بھی باقی ہے یعنی اصول مجتہدین کے تحت جزئیات جدیدہ کا استخراج کرلینا“ (۳۷)۔

استقلالی شان رکھنے والے مجتہدین کے ناپید ہونے کے باوجود نئے مسائل وحوادث کے بارے میں اجتہاد کا عمل امت میں ہمیشہ جاری رہا اور جاری رہے گا، اجتہاد امت پر عائد ہونے والا ایک اہم فریضہ ہے لہذا اس کا کلیۃً موقوف ہونے کا سوال نہیں پیدا ہوتا، اجتہاد فی الفروع کی صلاحیت رکھنے والے فقہاء ہر دور میں موجود رہے جنہوں نے ائمہ مجتہدین سے منقول اصول اجتہاد، مناہج استنباط کی روشنی میں کتاب وسنت سے نئے پیش آمدہ مسائل کا شرعی حل تلاش کیا اور امت کی بروقت رہنمائی کی۔

اجتہاد فی الفروع کی صلاحیت بھی ہر عالم میں نہیں ہوتی، اس کے لئے بھی علم وتفقہ کا خاصا بلند معیار مطلوب ہے، لیکن اس صلاحیت کی افراد کبھی امت سے ناپید نہیں ہوئے۔

کیا اجتہاد قابل تجزی ہے؟

مباحث اجتہاد میں سے ایک اہم بحث تجزی اجتہاد کی بحث ہے، تجزی اجتہاد کا مطلب یہ ہے کہ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ انسان بعض ابواب فقہیہ میں اجتہاد کی صلاحیت اور استحقاق رکھتا ہو اور باقی میں نہیں، اہل اصول کے غالب اکثریت اجتہاد میں تجزی کو درست مانتی ہے، اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے امام غزالی لکھتے ہیں:

''ان آٹھوں علوم کا اجتماع مجتہد مطلق کے لئے شرط ہے جو شریعت کے تمام ابواب میں فتوی دیتا ہے لیکن میرے نزدیک اجتہاد ایسا منصب نہیں ہے جس کے اجزاء نہ ہوسکیں، بلکہ یہ بات کہنا درست ہے کہ کسی عالم کو بعض احکام کے بارے میں مقام اجتہاد حاصل ہے اور بعض کے بارے میں نہیں، جو شخص قیاس کے ذریعہ غور وفکر کے طریقہ کار سے واقف ہو وہ قیاس سے تعلق رکھنے والے مسئلہ میں فتوی دے سکتا ہے اگر چہ وہ علم حدیث میں ماہر نہ ہو''مسئلہ مشترکہ'' میں غور فکر کرنے والے کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ فقیہ النفس ہو اور علم فرائض کے اصول ومعانی سے واقف ہو اگر چہ اسے وہ احادیث نہ معلوم ہوں جن کا تعلق نشہ آور چیزوں کی حرمت اور بلا اجازت ولی نکاح کرنے سے ہے، کیوں کہ اس مسئلہ کے سمجھنے اور حل کرنے میں ان احادیث سے کوئی مدد نہیں ملے گی، ان احادیث کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، لہذا ان احادیث سے ناواقفیت اس مسئلہ کے بارے میں صلاحیت اجتہاد کو ناقص کیسے کرسکتی ہے، اسی طرح جو شخص ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کرنے کے بارے میں وارد احادیث کو اور ان سے استنباط کے طریقہ کو جانتا ہے اس کے لئے یہ بات مضر نہیں ہے کہ وہ نحو کے ان قواعد سے ناواقف ہے جن کے ذریعہ ''**وامسحوا برؤوسکم وأرجلکم إلى الکعبین**'' کے اعراب کو حل کرسکے، اسی پر دوسرے مسائل کو قیاس کر لیجئے، مفتی ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ہر سوال کا جواب دے سکے، ایک بار امام مالکؒ سے چالیس سوالات کئے گئے ان میں چھتیس کے جواب میں انہوں نے فرمایا ''**لاأدری**'' (میں جانتا نہیں ہوں) امام شافعیؒ نے بلکہ صحابہ کرامؓ نے مختلف مسائل کے بارے میں توقف فرمایا، لہذا مفتی کے لئے بس اتنا ضروری ہے کہ جس مسئلہ کے بارے میں فتوی دے بصیرت حاصل ہونے کے بعد فتوی دے، جن مسائل سے بہ خوبی آگاہ ہے، انہیں کے بارے میں فتوی دے، اپنے معلوم اور غیر معلوم مسائل میں تمیز کرے، نامعلوم مسائل کے بارے میں توقف کرے اور معلوم مسائل کے بارے میں فتوی دے'' (۳۸)۔

مختلف تصریحات

امام رازی (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

''**الحق أنه یجوز أن تحصل صفة الاجتهاد فی فن دون فن، بل فی مسألة دون مسألة خلافا لبعضهم**'' (۳۹)۔

(حق یہ ہے کہ ایک فن میں مقام اجتہاد حاصل ہونا دوسرے فن میں حاصل نہ ہونا بلکہ ایک مسئلہ میں حاصل ہونا دوسرے میں حاصل نہ ہونا درست ہے لیکن اس میں بعض لوگوں کا اختلاف ہے)۔

اصول بزدوی کے شارح مشہور حنفی اصولی عبد العزیز بخاری نے اس مسئلہ میں بالکل وہی رائے دی ہے جو امام غزالی کے حوالہ سے آپ پڑھ چکے ہیں (۴۰)۔ شیخ تاج الدین سبکی (۷۷۱ھ) نے بھی تجزی اجتہاد سے اتفاق کیا ہے (۴۱)۔

مشہور اصولی علامہ سیف الدین آمدی تجزی اجتہاد پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعض مسائل کے حکم کے بارے میں اجتہاد کرنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ انسان اس مسئلہ کے متعلقات سے بہ خوبی واقف ہو، اس مسئلہ سے واقفیت کے لئے جن باتوں کا علم ناگزیر ہوان سے آگاہ ہو، اس مسئلہ سے غیر متعلق چیزوں اور باقی مسائل فقہیہ کے متعلقات سے ناواقف ہونا اس کے لئے مضر نہیں ہے جس طرح مجتہد مطلق بہت سے مسائل کے بارے مقام اجتہاد پر فائز ہوتے ہوئے ان مسائل کے دائرے سے باہر کی بعض چیزوں سے ناواقف ہوتا ہے، مفتی کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ تمام مسائل کے احکام ودلائل سے واقف ہو کیوں کہ یہ انسان کے دائرہ استطاعت سے باہر ہے، امام مالکؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے چالیس مسائل دریافت کئے گئے، ان میں سے ۳۶ کے جواب میں انہوں نے ''لاأدری'' (میں جانتا نہیں ہوں) کہا'' (۴۲)۔

علامہ کمال بن ہمام نے التحریر (۴۳) میں اور علامہ بیضاوی نے منہاج الاصول (۴۴) میں تجزی اجتہاد کو حق قرار دیا ہے، اہل اصول کے غالب اکثریت نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔

دوسرا نقطہ نظر

تجزی اجتہاد کے بارے میں دوسرا موقف یہ ہے کہ تجزی اجتہاد درست نہیں ہے، جس شخص میں اجتہاد کی بنیادی اہلیت موجود ہے وہ تمام ابواب اور تمام مسائل میں اجتہاد کرسکتا ہے، اجتہاد دراصل ایک ملکہ اور صلاحیت کا نام ہے جو مختلف علوم میں مہارت وممارست سے حاصل ہوتی ہے، اور کسی کام کی صلاحیت ناقابل تقسیم ہوتی ہے اس کے مختلف حصے نہیں کئے جاسکتے، علاوہ ازیں فقہ اسلامی کے تمام ابواب ومسائل ایک دوسرے سے بہت گہرے طور پر مربوط ہیں، انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا اجتہاد کا فریضہ وہی شخص انجام دے سکتا ہے جس کی تمام ابواب ومسائل پر نظر ہو۔

اس موقف کی طاقتور ترجمانی علامہ شوکانیؒ نے ارشاد الفحول میں کی ہے، موصوف لکھتے ہیں:

''تحقیق یہ ہے کہ اجتہاد میں تجزی ناممکن ہے، کیوں کہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مجتہد کے لئے کسی دلیل کی بنا پر حکم لگانا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک اسے مقتضی کے پائے جانے اور مانع کے نہ پائے جانے کا ظن غالب حاصل نہ ہوجائے اور یہ بات مجتہد مطلق ہی کو حاصل ہوسکتی ہے جو شخص یہ دعوی کرتا ہے کہ اس نے کسی خاص باب یا کسی خاص مسئلہ کے تمام متعلقات کا احاطہ کرلیا ہے، اسے مذکورہ بالا بات کا ظن غالب حاصل نہیں ہوتا کیوں کہ یہ بات ممکن ہے کہ اس کے علم کی رسائی جہاں تک ہوسکی وہاں وہ مانع موجود ہو، اگر ایسا کوئی شخص ظن غالب کا دعوی کرتا ہے تو یہ دعوی محض ظن وتخمین پر مبنی ہے، اس شخص سے بحث کرنے پر یہ بات واضح ہوجائے گی'' (۴۵)۔

تیسرا نقطہ نظر

تجزی اجتہاد کے بارے میں تیسرا (۴۶) موقف یہ ہے کہ علم فرائض کی حد تک تجزی اجتہاد درست ہے یعنی یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص فرائض کے مسائل کے بارے میں اجتہاد کرسکتا ہو اور دوسرے ابواب فقہیہ کے بارے میں صلاحیت اجتہاد نہ رکھتا ہو یا فرائض میں اجتہاد نہ کرسکتا ہو اور دوسرے ابواب مسائل کے بارے میں اجتہاد کرسکتا ہو۔

جن حضرات نے یہ موقف اختیار کیا ہے ان کی بنیاد یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرائض علم کی مستقل اکائی معلوم ہوتی ہے، علم فرائض کے مسائل کا دوسرے ابواب فقہیہ کے مسائل سے اتنا گہرا ربط نہیں ہے، جتنا گہرا ربط دوسرے ابواب فقہیہ کے مسائل کے درمیان ہے اس لئے اجتہاد کے بارے میں فرائض کو دوسرے ابواب فقہیہ سے جدا کیا جا سکتا ہے۔

تجزی اجتہاد کے بارے میں ابن الزملکانی نے بہت معقول اور مناسب بات کہی ہے فرماتے ہیں:

"الحق التفصيل فما كان من الشروط كليا كقوة الاستنباط ومعرفة مجارى الكلام وما يقبل من الأدلة وما يرد ونحوه فلابد من استجماعه بالنسبة إلى دليل ومدلول فلا تتجزا تلک الأهلية وما كان خاصا بمسئلة أو مسائل أو باب فإذا استجمعه الإنسان بالنسبة إلى ذلک الباب أو تلک المسألة أو المسائل مع الأهلية كان فرضه فى ذلک الجزء الاجتهاد دون التقليد" (۴۷)۔

(اس مسئلہ میں حق یہ تفصیل کرنا ہے کہ جو شرائط کلی نوعیت کی ہیں مثلاً قوت استنباط، اسالیب کلام کی واقفیت مقبول ومردود دلائل کی واقفیت وغیرہ ان کا جمع ہونا ہر دلیل و مدلول میں ضروری ہے، یہ اہلیت قابل تجزی نہیں ہے اور جن شرائط کا تعلق چند مسائل یا کسی خاص باب سے ہے اگر بنیادی اہلیت کے ساتھ کسی شخص میں کسی باب یا مسئلہ کی شرائط پائی گئیں تو اس شخص پر خاص اس باب یا مسئلہ میں اجتہاد کرنا لازم ہوگا، تقلید جائز نہیں ہوگی)۔

ابن الزملکانی کی یہ بات دراصل تجزی اجتہاد کو جائز کہنے والوں کے قول کی توضیح وتشریح ہے ظاہر ہے کہ کلام عرب کے اسالیب کی واقفیت قوت استنباط، مقبول وغیر مقبول ادلہ کی معرفت، اصول اجتہاد واستنباط سے واقفیت اور اس طرح کی بعض دوسری بنیادی صلاحیتیں ہر اجتہاد کرنے والے کے لئے ناگزیر ہیں خواہ وہ تمام ابواب ومسائل کے بارے میں اجتہاد کرے یا کسی خاص باب یا مسئلہ کے بارے میں، تجزی اجتہاد کے نام پر ان بنیادی شرائط اور صلاحیتوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، ہاں کسی خاص باب یا مسئلہ کے بارے میں اجتہاد کرنے کے لئے اگر کوئی مخصوص صلاحیت یا مطالعہ درکار ہو تو اسے اس باب یا مسئلہ تک محدود رکھا جائے گا اسے ہر جگہ لازم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

دور حاضر اور تجزی اجتہاد

میرا خیال یہ ہے کہ صلاحیت اجتہاد کو اگر نا قابل تقسیم وتجزی مان بھی لیا جائے تو بھی صلاحیت اجتہاد رکھنے والے شخص کے لئے ہر مسئلہ میں اجتہاد کرنا موجودہ حالات میں تقریباً ناممکن ہے، زمانہ گزرنے کے ساتھ حوادث ومسائل کی تعداد بڑھتی جارہی ہے معاشیات، سیاسیات وغیرہ کے میدانوں میں روزانہ نت نئے مسائل کھڑے ہورہے ہیں جو شرعی فیصلہ اور حل کے طالب ہیں اس لئے موجودہ دور میں کسی شخص کا تمام اجتہادی مسائل کے بارے میں اجتہاد کر پانا غیر عملی سی بات ہے خصوصاً اس لئے کہ نئے پیش آمدہ مسائل ماضی کے مسائل کی طرح سادے اور آسان نہیں تجارت، بینکنگ، معاشیات، سیاسیات، سماجیات، بین الاقوامی تعلقات وغیرہ کے میدانوں میں جو نئے مسائل درپیش ہیں وہ بہت پر پیچ اور تہہ در تہہ ہیں ان معاملات ومسائل کو پورے طور پر سمجھنے اور ان کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے بسا اوقات پورے معاشی، سیاسی یا سماجی نظام کو سمجھنا پڑتا ہے، مختلف میدانوں کے ماہرین اور متخصصین سے مدد لینی پڑتی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ حکم شرعی لگانے

سے پہلے تصویر مسئلہ کا کام بہت مشکل اور پر پیچ ہو گیا ہے، ان نئے مسائل کی صحیح تصویر اسی وقت سامنے آسکتی ہے جب کہ مفتی کو اس میدان زندگی کے بارے میں براہ راست گہری واقفیت ہو جس میدان سے اس مسئلہ کا تعلق ہے یا مفتی اس میدان زندگی کے ماہرین سے رابطہ قائم کرکے پوری ذہانت اور بیدار مغزی کے ساتھ سوالات کرکے اور کھود۔۔۔کرید کرکے صورت مسئلہ کو سمجھے۔

ان حالات میں ہمارے اہل اصول کا اختیار کردہ تجزی اجتہاد کا اصول بڑا کارآمد اور عملی ہے، دور حاضر میں جب کہ جزوی اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے علماء بھی کمیاب ہوتے جا رہے ہیں، وسائل علم کی فراوانی کے باوجود علم کی سطح برابر گرتی جارہی ہے مادیت کی چمک دمک نے علمی ریاضت اور یکسوئی کا وہ ماحول ہی درہم برہم کر دیا ہے جس کی برکت سے مختلف علوم وفنون کی جامع بلند قامت شخصیتیں پروان چڑھتی تھیں، اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ علوم اجتہاد میں درک رکھنے والے خدا ترس علماء فقہاء فقہ اسلامی کے مختلف ابواب کو اپنی بحث و تحقیق کا موضوع بنائیں، اور زندگی کے مختلف میدانوں (مثلاً تجارت زراعت، اقتصادیات، بینکنگ، سیاسیات، سماجیات، بین الاقوامی تعلقات وغیرہ) میں پیدا ہونے والے مسائل کا شرعی حکم اور حل مصادر شریعت کی روشنی میں تلاش کریں۔

☆☆☆

حواشی:

(۱) لسان العرب ۱/ ۵۲۰۔۵۲۱

(۲) ترتیب القاموس المحیط ۱/ ۵۴۶

(۳) المستصفی ۲/ ۵۱۰

(۴) تیسیر التحریر ۴/ ۱۷۸۔۱۷۹

(۵) المستصفی ۲/ ۵۱۰

(۶) الابھاج فی شرح المنھاج ۳/ ۲۶۲

(۷) تیسیر التحریر ۴/ ۱۷۹، التقریر والتحبیر ۳/ ۲۹۱

(۸) مسلم الثبوت ۲/ ۵۹۸

(۹) آمدی، الأحکام فی أصول الأحکام ۴/ ۲۱۸

(۱۰) عقد الجید فی أحکام الاجتھاد والتقلید ص ۳

(۱۱) المستصفی ۲/ ۱۰۱، الابھاج فی شرح المنھاج ۳/ ۲۷۲، التقریر والتحبیر ۳/ ۲۵۲، کشف الاسرار البخاری ۴/ ۱۱۲۵

(۱۲) شرح مختصر الروضۃ جلد ۳، ص ۵۷۷، تحقیق ڈاکٹر عبد اللہ بن عبد المحسن ترکی، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت

(۱۳) نھایۃ السول فی شرح منھاج الاصول الاسنوی ۴/ ۵۴۹، تیسیر التحریر ۴/ ۱۸۱

(۱۴) امام الحرمین جوینی، البرہان فی اصول الفقہ ۲/۱۳۳۱
(۱۵) کشف الأسرار ۴/ ۱۱۳۵، دوسرے اہل اصول نے بھی اسی طرح کی صراحتیں کی ہیں ملاحظہ ہو: شرح مختصر الروضہ للطوفی ۳/ ۵۷۹، ۵۸۰، المحصول للرازی جزء ثانی قسم ثالث ص ۳۳
(۱۶) المستصفی ۲/ ۱۰۲، ۱۰۳
(۱۷) المستصفی ۲/ ۱۰۲، الابھاج ۳/ ۲۷۳، التقریر والتحبیر ۳/ ۲۹۳، حاشیۃ نہایۃ السول ۴/ ۵۵۳
(۱۸) المستصفی ۲/۱۰۱، ۱۰۲
(۱۹) غزالی، المستصفی ۲/ ۱۰۲
(۲۰) شاطبی، الموافقات فی الشریعۃ ۴/ ۱۱۴-۱۱۵
(۲۱) شاطبی، الموافقات ۴/ ۱۱۸
(۲۲) شرح مختصر الروضۃ جلد ۳/۵۸۱، ۵۸۲
(۲۳) الموافقات ۴/۱۰۶-۱۰۷
(۲۴) غزالی، المستصفی ۲/ ۱۰۳
(۲۵) شوکانی، ارشاد الفحول ۲۵۲
(۲۶) المحصول ۲ قسم ۳/۳۶
(۲۷) المستصفی ۲/ ۱۰۳
(۲۸) الابھاج فی شرح المنھاج ۳/ ۲۷۳، ۲۷۴
(۲۹) البرھان فی أصول الفقہ ۲/ ۱۳۳۲
(۳۰) الابھاج فی شرح المنھاج ۳/ ۲۷۲
(۳۱) آمدی، الاحکام فی أصول الاحکام ۴/ ۲۱۹
(۳۲) المحصول فی علم أصول الفقہ جزء ثانی قسم ثالث ۳۹
(۳۳) المستصفی ۲/ ۱۰۳
(۳۴) ملاحظہ ہو: کشف الاسرار للبخاری ۴/ ۱۱۳۴، التقریر والتحبیر ۳/ ۲۹۲، الأحکام فی أصول الأحکام ۴/۲۲۱
(۳۵) اشرف الجواب ۲/ ۲۱۰-۲۱۲
(۳۶) ص: ۱۱۲، ۱۱۳
(۳۷) دعوات عبدیت ۱۹/ ۱۵۷
(۳۸) المستصفی ۲/ ۱۰۳
(۳۹) المحصول فی علم أصول الفقہ جزء ثانی قسم ثالث ۳۷
(۴۰) کشف الاسرار ۴/ ۱۱۳۷

(۴۱)الابہاج فی شرح المنہاج ۳/ ۲۷۴

(۴۲)سیف الدین آمدی، الأحکام فی أصول الأحکام ۴/ ۲۲۱

(۴۳)تیسیر التحریر شرح التحریر ۴/ ۱۸۲

(۴۴)نہایۃ السول فی شرح منہاج الأصول ۴/ ۵۵۵

(۴۵)ارشاد الفحول ۲۳۷

(۴۶)التقریر والتحبیر ۳/ ۲۹۳

(۴۷)التقریر والتحبیر ۳/ ۲۹۴